قصیدہ

در مدح حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

انیس العصر سید مہدی نظمی

پیاسوں کی رہ و رسم ہے ساون کی جھڑی سے
اے تشنہ لبو مانگو نہ اب جام کسی سے

میخوار کی آنکھوں سے برستے ہوئے آنسو
وابستہ ہیں دامانِ غمِ تشنہ لبی سے

کب سوزِ عطش گھٹتا ہے اے دیدۂ گریاں
کب آتشِ گل بجھتی ہے شبنم کی نمی سے

یہ بھی ہے غمِ تشنگیٔ عشق کی منزل
جس میں نہ شکایت ہو نہ امید کسی سے

تسکیں ملے جس پیاس سے احساسِ خودی کو
وہ پیاس بہت خوب ہے پیمانہ کشی سے

جس پیاس سے ملتی ہے رگِ دل کو طراوت
وہ پیاس سلگتی ہے حقیقت نگری سے

جس پیاس سے بڑھتے ہیں قدم راہِ وفا میں
اس پیاس کی نعمت ملی عباسؑ علیؑ سے

جس پیاس سے سیراب ہوا گلشنِ ایماں
اس پیاس کو معراج ملی سبطِ نبیؐ سے

جو پیاس بہا دیتی ہے ازرق کے لہو کو
وہ پیاس مہک اٹھتی ہے سہرے کی لڑی سے

جس پیاس سے حرؑ آ گیا شبیرؑ کی جانب
وہ پیاس کہاں بجھتی ہے قاتل کی چھری سے

جس پیاس سے گلنار ہوا سینۂ اکبرؑ
وہ پیاس الجھ پڑتی ہے نیزے کی انی سے

جس پیاس کے شعلوں سے پگھل جاتے ہیں پتھر
وہ پیاس اُمنڈ پڑتی ہے اصغرؑ کی ہنسی سے

جس پیاس سے قرآن کی تلاوت ہو سناں پر
اس پیاس کی رگ کٹتی نہیں کند چھری سے

جس پیاس سے سرشار ہے بیمار کا سینہ
وہ پیاس مقید نہ کبھی ہوگی کسی سے

جو حرفِ سخن بن کے جھلس دیتی ہے کوفہ
وہ پیاس بھڑکتی ہے لبِ بنتِ علیؑ سے

ڈوبے ہیں ندامت کے پسینے میں سمندر
روتی ہے گھٹا شرمِ غمِ تشنہ لبی سے

شبنم نے بھرے اشکوں سے پھولوں کے کٹورے
کلیوں کی جبیں بھیگی ہے مٹی کی نمی سے

کیوں دیکھے گی وہ آنکھ کبھی جانبِ دریا
آسودہ ہے جو سوزِ غمِ تشنہ لبی سے

مسرور ہیں اربابِ ولا جشنِ ولا میں
دامن کو بچا تہمتِ آزردہ دلی سے

اب ایسی غزل چھیڑ کہ اندازِ سخن میں
مل جائے جو مداحِ علیؑ میر تقی سے

کچھ ایسا ملا چین غریب الوطنی سے
ملتا ہی نہیں شہر میں دیوانہ کسی سے

ہے بیر زمانے کے تغیر کو، چمن میں
کلیوں کے تبسم سے گلابوں کی ہنسی سے

آغازِ بیاں ہے مری رودادِ الم کا
کیوں آپ پریشاں ہوئے جاتے ہیں ابھی سے

منصور کا دل مل نہ سکا اہل خرد کو
منصور کا دل بنتا ہے ذرّاتِ خودی سے

کیوں اہل خرد دیتے ہیں غم اہل جنوں کو
ہم غم سے بقا پاتے ہیں مرتے ہیں خوشی سے

جائیں تو کہاں جائیں ترے چاہنے والے
دنیا کہیں باہر نہ ملی تیری گلی سے

یوں پیاس کے نشتر کی چبھن ہوتی ہے جیسے
شیشے کا جگر کٹتا ہے ہیرے کی کنی سے

سقائے سکینہؑ کی ولادت کی خوشی میں
اے تشنہ لبو مانگ لو کوثر کو علیؑ سے

آیا ہے قمر خانۂ مولودِ حرم میں
تاروں نے چراغاں کیا گردوں پہ خوشی سے

وہ مطلعِ نو پڑھیئے کہ دل بنتِ نبیؐ کا
ہو شاد ثنا خوانئ عباسؑ جری سے

ہے جلوہ فشاں صبر اگر سبطِ نبی سے
روشن ہے وفا پرتوِ عباسؑ علیؑ سے

ایثار کو عباسؑ کے کردار میں دیکھو
پانی نہ پیا پیاس میں دریا کی تری سے

نظروں میں سماتی ہی نہیں کثرتِ دشمن
عباسؑ نے فن تیغ کا سیکھا ہے علیؑ سے

یوں موڑ کے منہ نہر سے مشکیزہ بھرا ہے
دامانِ نظر بھیگا نہ پانی کی نمی سے

ہاں بنت پیمبر کی رِدا چھن نہ سکے گی
ڈھارس دلِ زینبؑ کو ہے عباسِ جری سے

دانش میں تدبیر میں شجاعت میں وفا میں
اک اور علیؑ مل گیا آغوشِ علیؑ سے

پر اپنے بچا لیتے ہیں جبریلِ امیں بھی
میدان میں ہر ضربتِ عباسِ جری سے

انصار حسینی کی وفا کہتی ہے رن میں
سو بار قضا آئے تو مر جائیں خوشی سے

یوں جیسے کہ قرآن ہو جزدان سے باہر
توقیر شہیدوں کی بڑھی بے کفنی سے

پاؤگے صلہ مدحتِ عباسؑ کا نظمیؔ
حسنینؑ سے زہراؑ سے محمدؐ سے علیؑ سے

اخلاص کے رشتے سے پڑھو مطلعِ رنگیں
اس بزمِ عقیدت کا تعلق ہے رضی سے

خنجر سے نہ پیکاں سے نہ پیماں شکنی سے
اب پرچم عباسؑ نہ خم ہوگا کسی سے

زینت ہے جلوسِ غم شبیرؑ کی اب تک
لہراتے ہوئے پرچم عباسؑ جری سے

یہ پنجۂ پُر نور کا اب تک ہے اشارہ
چاہو تو وفا سیکھ لو عباسِ علیؑ سے

جعفر سے ملی ترکہ میں لشکر کی قیادت
شمشیر و علم پایا ہے ورثے میں علیؑ سے

انساں کو ملی ہستئ جاوید کی منزل
اے قبلۂ حاجات تری راہبری سے

اے تیغ ستم سورۂ کوثر کے مطالب
دنیا پہ کھُلے کثرتِ اولادِ نبیؐ سے

جینے کا ملے عزم تو مرنے کا سلیقہ
نظمیؔ کا تقاضہ ہے سخی ابن سخی سے